بشریٰ رحمٰن کے ناول ''دانا رسوئی'' کا فکری و فنی جائزہ

ANALYSIS OF BUSHRA REHMAN'S NOVEL "DANA RASOI"

نگہت بیگم[1] ر ڈاکٹر غنچہ بیگم[**]

Abstract:

Bushra Rehman is a versatile Personality. By dint of her untiring industry, she made a deserving success in whichever field she tried her luck. She got reputation and status in each and every domain. She was simultaneously a novelist, story writer, travelogue writer and columnist. Social complications, status quo, social conflicts and women's exploitation are her initial subjects. Her novels contain the story of a woman entangled in outdated customs and traditions. Through her writings, she immortalised the unprecedented sacrifices of a woman entrapped in outdated norms and traditions, negative attitudes of society and sensual yearnings. She has a deep insight into the connections and delicacies of human relations. She weaves the threads of her " Dana Rasoi" in such a way that keeps the reader's attention attracted till the last.

کلیدی الفاظ: معاشرتی حیثیت، نفسیاتی کیفیات، تہذیب اور ثقافت، استحصال، نسوانیت، کینوس، داخلی خود کلامی، عصری زاویے۔

فکشن کی دنیا میں بشریٰ رحمٰن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انھوں نے سفر نامہ، ناول نگار، افسانہ نگار، کالم نگار اور شاعرہ کے طور پر اردو زبان و ادب کی خدمت کی ہے اس کے علاوہ وہ بہت اچھی مقرر بھی تھیں۔ انھوں نے سیاست میں بھی نام کمایا۔ اس کے حوالے اردو کے معروف محقق مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

> ''اُن کی بنیادی حیثیت تو فکشن نگار کی ہے، لیکن شاعری، سفر نامہ نگاری، کالم نویسی اور خطابت کے میدانوں میں اُنھوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔''(1)

بشریٰ رحمٰن کی تحریروں میں کئی جہاں اپنی پوری تاب و توانائی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں خاص طور پر عورت کی معاشرتی حیثیت، داخلی و نفسیاتی کیفیات کو خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ بشریٰ رحمٰن عورت کے باطن میں جھانک کر اس کا چہرہ دکھانے کی کوشش کرتی ہے۔ انھوں نے ادب کے مختلف موضوعات پر قابل داد کام کیا۔ بلقیس ریاض ان کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> ''بشریٰ رحمٰن کہانی لکھنے کا ہنر جانتی تھیں۔ وہ مرد اور عورت کے مختلف رویوں اور کرداروں سے واقف تھیں۔ ان کی دور بین نگاہ مرد اور عورت کے دل کے اندر جھانک لیتی تھی۔''(2)

ناول پیاسی ہو یا چارہ گر، پارسا ہو یا شرمیلی یا اللہ میاں جی یا دانا رسوئی تمام ناولوں کا اپنی تہذیب اور ثقافت سے گہرا تعلق ہے۔ ریاست بہاولپور سے تعلق ہونے کے ناطے وہاں کے ثقافتی اثرات ان کی تحریروں میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ بشریٰ رحمٰن کو کہانی لکھنے کا سلیقہ اور ہنر خوب آتا ہے۔ وہ اس قدر ڈوب کر کہانی کو بیان کرتی ہیں کہ قاری بھی اس کے سحر میں ڈوب جاتا ہے۔ اس لیے مشفق خواجہ لکھتے ہیں کہ:

---

[1] پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور

[**] صدرِ شعبہ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور

"بشریٰ رحمٰن بظاہر ایک فرد کا نام ہے لیکن اُن کے کاموں کو دیکھا جائے تو وہ مجموعہ افراد نظر آتی ہیں۔ وہ کام جو بہت سے لوگ مل کر بھی نہ کر پائیں وہ اکیلی سرانجام دیتی ہیں۔"(3)

بشریٰ رحمٰن کا ناول پہلی بار لاہور ۲۰۱۱ میں لاہور سے شائع ہوا جسے بہت مقبولیت ملی۔ ان کا ناول ۲۷۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس ناول کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اصل میں یہ عورت کے ہی تین جنم ہیں۔ جن کو تین حصوں میں پیش کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں وہ اقلیم سلطانہ ہے دوسرے میں موتیا بائی اور تیسرے میں طیبہ بقائی ہے۔ ناول نگار نے عورت کی ذات کے سفر کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے اس کے دکھوں، غموں اور بے بسیوں کی کتھا کو بیان کیا ہے۔

بشریٰ رحمٰن نے اس پیشے پر نئے انداز سے لکھا۔ ان سفید پوش مجرموں کو آڑے ہاتھوں لیا جو فلاحی اداروں کی آڑ میں جسم فروشی کے پیشے کو تجارت کے طور پر فروغ دیتے ہیں۔ بشریٰ رحمٰن اُن مردوں کو بھی بے نقاب کرتی ہے جو اپنی بیویوں کو تو کانچ کی طرح سنبھال کر رکھتے ہیں اور راتوں کو بھیگی بلی کی طرح بیوی کے پہلو میں جا سوتے ہیں۔ اور کرنے کے لئے کرایے کی عورتوں کے پاس آجاتے ہیں۔

"تنگ مزاج بیویاں سمجھتی ہیں وہ ان کے جوتے کی نوک کے نیچے رہتے ہیں۔"(4)

ناول کا پلاٹ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ بشریٰ رحمٰن کے مذکورہ ناول کو پلاٹ کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان کی فنی مہارت اور چابکدستی کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے ناول کے پلاٹ پر خاص توجہ دی ہے۔ ان کے ناول کا پلاٹ واقعات کو منظم و مربوط انداز میں آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے اس طرح واقعات میں جہاں ہم آہنگی دیکھی جا سکتی ہے وہاں کرداروں کا ربط اور تعلق بھی بخوبی دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک منطقی انداز میں واقعات میں شامل ہوتے ہیں۔

ناول "دانا رسوئی" کے پلاٹ میں "دانا رسوئی" (ادارہ) نے اہم رول ادا کیا ہے۔ یہی ادارہ یعنی "دانا رسوئی" ہی دراصل اس ناول کا مرکزہ ہے جس سے مختلف شاخیں نکلتی ہیں اور ہر شاخ کی اپنی ایک الگ کہانی ہے۔ بظاہر فنون سکھانے والا یہ ادارہ (دانا رسوئی) جس میں فنون کم جسم فروشی زیادہ کرائی جاتی ہے۔ اس لئے اس ناول میں ایک یا دو کہانیاں نہیں بلکہ کئی کہانیاں ہیں۔ اس ناول کا پلاٹ بھی ایک نہیں بلکہ کئی چھوٹے چھوٹے پلاٹ کو ملا کر اس ناول کو تکمیل دی گئی ہے۔ اور ہر کہانی کو بڑی ہنر مندی سے انجام تک پہنچائی بھی ہیں۔

اس ناول میں معاشرے میں عورت جس طرح جنسی استحصال کا دانستہ اور غیر دانستہ طور پر شکار ہوتی ہے اور عورت کی اپنی لاچاری، ہوس کاروں کی نفسیاتی ترغیب اور سماجی جبر اُسے طوائف کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

"میں ایک شریف عورت ہوں غلطی سے یہاں آگئی تھی۔ میں دانا آپا کے جھانسے میں آگئی تھی۔ پہلے پہل جو عورت اس پیشے میں قدم رکھتی ہے، یہی کہتی ہے۔"(5)

اور کبھی وہ آوارہ مزاجی اور جنسی تسکین کی وجہ سے خود طوائف بن جاتی ہے۔

"میری بھی خواہشیں تھیں۔ میرے بھی خواب تھے، بڑے بڑے پلازوں میں شاپنگ کرنے کو میرا بھی دل مچلا کرتا۔ چوری چوری گندی گندی جنسی فلمیں دیکھا کرتی تھی۔ ان فلموں نے مجھے اخلاقیات سے عاری کر دیا۔ پھر میری رسائی ان لڑکیوں تک ہو گئی جو ان راستوں کی استاد تھیں، میرا پرس بھی نوٹوں سے بھرا رہنے لگا۔"(6)

اس سارے المیے کو زیادہ بہتر طور پر پیش کرنے کے لئے ہی "دانا رسوئی" (ادارہ) کا انتخاب کیا ہے۔

"دانا آپا کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ غریب لوگوں کی مدد کرنے کے لئے ادارہ چلا رہی ہے۔ اور ادارہ چلانے میں ہر قسم کا حربہ آزما رہی ہے۔"(7)

پلاٹ میں کئی ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں جو کہانی کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ پلاٹ کے علاوہ اس ناول کی سب سے بڑی خوبی اس ناول میں کردار نگاری ہے۔

کردار نگاری کے حوالے سے دیکھا جائے تو ناول نگار نے اپنے تمام کردار پر بہت توجہ دی ہے اور کوشش کی ہے فنی و فکری حوالے سے نہایت جاندار اور متحرک کردار ہوں۔ اس ناول میں شامل تمام کردار نہایت فعال اور متحرک ہیں کوئی بھرتی کا کردار نظر نہیں ہے۔ ہر کردار اپنی جگہ اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ ناول میں نسوانی کرداروں کی کثرت دیکھی جاسکتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ کثرت قاری پر گراں نہیں گزرتی بلکہ مسلسل دل چسپی قائم رہتی ہے۔ ناول نگار نے اپنے ناول میں خواتین کے مسائل و معاملات کو موضوع بنایا ہے اور ایک خاتون ہونے کے ناطے وہ خواتین کے مسائل کو بہتر طور پر سمجھ اور بیان کرسکتی ہیں کہ ہمارے معاشرے میں خواتین کن مسائل کا شکار ہیں۔ بلقیس ریاض اس حوالے سے لکھتی ہیں:

''بشریٰ رحمٰن کی نسوانیت اور حسنِ کردار ناول کے کرداروں میں نمایاں ہے۔ وہ حقوق نسواں کی علمبرداروں میں سے تھیں۔ یہی فرق ہے کہ بشریٰ میں ایک سلیقہ، دھیمہ پن اور قائل کرنے کی صلاحیت کوٹ کوٹ بھری تھی۔''(8)

ناول کے کرداروں میں مرکزی کردار اقلیم سلطانہ جو ناول میں تین ناموں سے پہنچانی جاتی ہے۔ اقلیم سلطانہ، موتیا بائی، طیبہ بقائی، ضمنی کرداروں میں عبدالباسط، دُردانہ آپا، ڈاکٹر ربابہ، محبوب شاہ اور بہرام بقائی اور سوسن کے ذریعے اس المیے کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ ناول میں کچھ ایسے کردار بھی ہیں جو ناول میں صرف چند لمحوں کے لئے نمودار ہو کر غائب ہو جاتے ہیں جسے صدیقہ آرزو، گل زمان، بیلا اور چنبیلی وغیرہ۔

فنی حوالے سے ناول میں منظر نگاری بھی بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس ناول کو دیکھا جائے تو یہاں ناول نگار کا فن سے بھرپور مظاہرہ ملتا ہے انھوں نے نہایت دل کش انداز میں ناول کو منظر نگاری کے حسن سے مرتب کیا ہے۔ اس میں جزئیات کا کمال قابل داد ہے۔ جو قاری متاثر کرتا ہے۔ مثلاً:

"سوسن باجی! اس ہوسٹل میں ساری ایسی ہی لڑکیاں رہتی ہیں؟

اقلیم نے پوچھا۔

نہیں! اس کو ہوسٹل بنا کے اس کا وقار رکھنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے گراونڈ فلور پر وہ خواتین رکھی جاتی ہیں جو شہر میں چھوٹا موٹا جاب کرتی ہیں۔

کوئی دکان کھول رکھی ہے یا کہیں پڑھاتی ہیں۔

دانا آپا ان سے بہت کم پیسے لیتی ہیں تاکہ یہاں رُکی رہیں اور "دانا رسوئی" کی بات بنی رہے۔

دوسری منزل کے کمرے ان لڑکیوں کے لئے مخصوص ہیں جو چند گھنٹوں کے لئے اپنے بوائے فرینڈ کو لے کر آتی ہیں یا ان کے عاشق اُنھیں یہاں کے آتے ہیں۔ وہ گھنٹوں کے حساب سے پیسے ادا کرلے چلے جاتے ہیں۔ ان کا حساب کتاب الگ ہوتا ہے اور تیسری منزل پہ ہم لوگ ۔۔۔۔۔ وہ ہنسنے لگی ہمیں کیا کہنا چاہئے، کال گرل، سوسائٹی گرل، طوائفیں، یا دوپہر کی رانیاں۔"(9)

بشریٰ رحمٰن کے یہاں منظر نگاری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ چھوٹی چھوٹی جزئیات کے ساتھ اس کو اس طرح سے پیش کیا جاتا ہے کہ منظر بھی اس سے وابستہ نظر آنے لگتی ہیں۔

''رات آگئی، آدھی رات نیم تاریک کمرے میں کھلی آنکھوں سے بسر ہوئی۔ چھت پر تارے نہیں ہوتے، تارے قسمت کے ستارے نہیں ہوتے، قسمت ستاروں میں نہیں ہوتی، قسمت پاؤں کے تلوؤں میں ہوتی ہے۔ تلوے کہاں لے جائیں گے کون جانے۔''(10)

بشریٰ رحمٰن منظر نگاری سے حالات کو بڑی خوبصورتی سے قاری کے سامنے پیش کر دیتی ہیں:

''اسے موتیا کے پھول بہت پسند تھے، اپنے چھوٹے سے گھٹن زدہ گھر میں بھی اس نے ایک کونے میں موتیا کی مریل سی بیل نگا رکھی تھی۔ گرمیوں کے موسم میں جس پر ایک آدھ کلی نظر آجاتی تو وہ خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی، کلی کو توڑتی نہیں تھی کہ از خود پھول بن جائے مگر نہ جانے کیا ہوتا کہ ایک دن وہ کلی مرجھا کر زمین پر گری ہوتی۔''(11)

یہاں بشریٰ رحمٰن نے صرف چند ایک ایک جملوں سے اس کیفیت کو معنی خیز بنایا ہے۔ایک طرف موتیا کی مریل سی بیل تو دوسری طرف مرجھائی ہوئی کلی، یہ سب جملے کتنی گہری معنویت پیدا کرتے ہیں۔

مصنفہ کے یہاں منظر خود کہانی کے واقعات میں ایک واقعہ نظر آنے لگتا ہے۔اس طرح بعض اوقات منظر اور کیفیت ایک ہی رہتی ہے اور قاری منظر سے وابستہ تمام حقیقت کو سمجھنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جاتا ہے۔

''دور دور سے بھی اذانوں کی آوازیں آتی رہیں۔اللہ کے نام کا ایک غلغلہ پوری کائنات کو جھنجھوڑنے لگا۔رفتہ رفتہ زمین کی چیزیں اُبھرنے لگیں۔مقامات ظاہر ہونے لگے۔ہر شے اپنے وجود میں آنے لگی۔مسجدوں نے پہلی منادیٰ کی تو سارے پرندے جاگ اُٹھے اور ایک دھیمی دھیمی پُر کیف موسیقی فضاؤں میں رچنے لگی۔اسے یوں لگا کہ پرندے بھی اللہ کی حمد و ثناء کے لیے جاگ اُٹھے ہیں۔بندوں سے پہلے۔اس کے بعد ہر شے جیسے رواں ہونے لگی۔''(12)

ناول نگار کو مرقع نگاری میں بھی کمال حاصل ہے جس سے قارئین لطف اٹھاتے ہیں۔مثلاً:

''بچہ بڑے مزے سے قبر کے اوپر کھیل رہا تھا۔دور اُفق پر سورج ڈوب گیا تھا۔آسمان کا جگر سرخ انگارہ ہو گیا تھا۔سنہری کرنیں زمین کا آخری بوسہ لے کر رخصت ہو رہی تھیں۔چاروں طرف سناٹا تھا۔''(13)

یہاں حقیقی مناظر کی سمتوں کے دروازے کھلنے لگتے ہیں۔جس کی سطحیں تخیلاتی اور محسوساتی ہیں لیکن منظر نامے کے عکس میں ملی ہوئی ہیں۔

مکالمہ نگاری کے حوالے سے دیکھا جائے تو بشری رحمان کو بڑی مہارت حاصل ہے۔انھوں نے کرداروں کی نفسیات بڑے بھرپور انداز میں پیش کیا ہے کہ مکالمات سے ان کا کردار کے بہت سے پہلو عیاں ہو جاتے ہیں۔ بقول مشفق خواجہ:

''اُن کے کردار کسی الف لیلوی ماحول کی نہیں، ہماری روزمرہ زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔''(14)

ناول میں بشریٰ رحمٰن نے کرداروں پر گزرنے والی کیفیت کو مکالموں کے ذریعے بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔مثلاً جب اقلیم کو پہلی دفعہ کسی گاہک کے حوالے کیا جاتا ہے تو اُس کیفیت کو مکالمہ نگاری سے یوں بیان کیا ہے:

''مگر تم کون ہو؟

ہاہاہا! وہ قہقہہ لگا کہ ہنسا تمھیں ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ میں کون ہوں؟

میں ایک گاہک ہوں سنا تم نے؟

جیسے اقلیم کو کرنٹ لگا۔وہ آدمی کھڑا ہو گیا تھا، آگے بڑھ کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور روتے ہوئے بولی:

خدا کے واسطے مجھے یہاں سے نکال دو۔

میں تمھارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔''(15)

ان مکالموں سے اقلیم کی بے بسی واضح طور پر سامنے آتی ہے۔مصنفہ ادارے میں رہنے والی لڑکیوں کی بے ہودہ گفتگو کو بھی بڑی خوبصورتی سے مکالمے کی صورت میں یوں بیان کرتی ہے کہ وہ قاری پر گراں نہیں گزرتی۔

''اری سوسن! سنا ہے نصیب دشمناں تو پھر بیمار ہو گئی ہے۔ایک بولی۔

وہ تیرا پرانا عاشق تجھے پھر توڑ پھوڑ کر چلا گیا ہے۔''(16)

اسی طرح دانا آپا کی خود غرضی اس کے مکالمے سے کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

''پتہ نہیں اس کو چور چور کر دینے کو دل کیوں چاہا! حالانکہ سینکڑوں لڑکیاں خوشی سے برباد ہونے کے لئے آگئیں، اب بھی آتی رہتی ہیں۔

وہ تو بہت ہی معمولی عورت تھی، پتہ نہیں کیوں اس میں میری انا لٹک گئی؟''(17)

ناول میں کئی واقعات پر مکالموں کی صورت جذباتی کیفیات پیدا کی گئی ہیں:

''اور ہاں ڈاکٹر! وعدہ کرو وہ تم میرے بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر پالو گی، اور وعدہ کرو کہ تم میرا بچہ عبدالباسط کو ضرور دکھاؤ گی۔ اس سے کہنا یہ اقلیم کا بچہ ہے۔ اقلیم بانجھ نہیں تھی بلکہ تم۔۔۔۔۔۔ تم نامرد تھے۔''(18)

بشریٰ رحمٰن کے مکالمے برجستہ ہیں اور کرداروں کی ذہنی اور جذباتی صورتحال کو ان کے مکمل رنگ و آہنگ کے ساتھ سامنے لانے کی کوشش کی ہیں۔ ناول میں لڑکیوں کے کردار جب آپس میں نوک جھوک کرتے نظر آتے ہیں ناول کی فضا پر لطف ہو جاتی ہے۔ اس طرح عبدالباسط کے جملے میں بھی اس کی خود غرضی کو ظاہر کرتے ہیں۔

بشری رحمان کے ناول کو اسلوبیاتی حوالے سے دیکھا جائے تو ان کے ہاں تواز اور تناسب ان کے اسلوب کی اہم خصوصیات ہیں۔ اس کی وجہ سے ناول میں روانی کا لطف قائم رہتا ہے۔ انھوں نے اپنے ناول میں زبان و بیان کی خوبیوں پر بطور خاص توجہ دی ہے جس کی وجہ سے ان کے کرداروں کی شخصیات کھل کر سامنے آتی ہیں۔ ان کا انداز بیان سلیس رواں عام فہم اور سادہ ہے جس کی وجہ سے کہیں بھی عبارت مبہم یا بوجھل نہیں ہوتی۔ اور قاری کا دل کسی مقام پر اُچاٹ نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ کرداروں کے ناموں کے حوالے سے قاری تھوڑا اُلجھن کا شکار ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ غور کرنے پر اس کے کردار بھی کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔

جہاں تک تکنیک کی بات ہے تو مصنفہ نے ناول کی تکنیک اور پیش کش میں کہیں بھی مشکل تجربات نہیں کئے ہیں۔ ناول بیانیہ انداز میں شروع ہوتا ہے۔

''یہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا تھا کہ عبدالباسط نے اسے گھر سے نکالا ہو، ایسا تو کئی بار ہو چکا تھا۔ اقلیم سلطانہ کی شادی کو سترہ برس ہو گئے تھے۔ ان برسوں کی سہانی یاد شادی کے بعد کا بس تھوڑا سا عرصہ ہی تھی پھر اس کے بعد زندگی کا چلن موت کے کنوئیں میں موٹر سائیکل چلانے کے مصداق ہو گیا تھا۔''(19)

پھر ناول، مکالمے اور داخلی خود کلامی کی تکنیک کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ ناول کا زیادہ تر حصہ مکالماتی انداز میں ہے۔

بشریٰ رحمٰن نے اس پوری صورتحال میں عورت کے ذہنی کرب اور اس کے وجود کی معنویت کو مکالمے کے ذریعے واضح کیا ہے۔ اور کرداروں کی عمر، رشتے اور محل و قوع کی مناسبت سے مکالمے لکھے ہیں۔ ناول نگار کو جزئیات نگاری کے فن پر بھی عبور حاصل ہے۔ مثلاً:

''مگر میں تو ایسی داغدار عورت ہوں جس کے داغ کسی قسم کا کفارہ نہیں دھو سکتا۔''(20)

بشریٰ رحمٰن کے ناول کا سادہ انداز بیان مصنوعی فضا کا سہارا نہیں لیتا بلکہ ان کے مٹھاس لیے ہوئے جملے قاری کو متاثر کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر ان کے ناول میں معاشرے کی باریکی کے ساتھ عکاسی ملتی ہے۔ اپنے عہد کے مسائل خاص طور پر خواتین کے استحصال، مذہب اور سیاست سے پیدا ہونے والے مسائل و معاملات اخلاقی اقدار کی پامالی جیسے موضوعات کو اپنے دامن سمیٹے نظر آتی ہیں۔

حوالہ جات

1. مشفق خواجہ، مشمولہ: پارسا،از بشریٰ رحمٰن، کراچی: 2003ء، ص6
2. بلقیس ریاض، بشریٰ اپنی ذات میں ایک انجمن تھیں، روزنامہ نوائے وقت، 13فروری 2022ء
3. مشفق خواجہ، مشمولہ: پارسا،از بشریٰ رحمٰن، ص6
4. بشریٰ رحمٰن، دانا رسوئی، لاہور: زرناب کمپوزنگ سنٹر، ص85
5. ایضاً، ص33
6. ایضاً، ص85
7. ایضاً، ص34
8. بلقیس ریاض، بشریٰ اپنی ذات میں ایک انجمن تھیں، روزنامہ نوائے وقت، 13فروری 2022ء
9. بشریٰ رحمٰن، دانا رسوئی، ص85
10. ایضاً، ص38،37
11. ایضا، ص108
12. ایضاًص254
13. ایضاًص،269
14. مشفق خواجہ، مشمولہ: پارسا، ص6
15. بشریٰ رحمٰن، دانا رسوئی، ص32
16. ایضاً، ص90
17. ایضاً، ص227
18. ایضاً، ص250
19. ایضاً، ص11
20. ایضاً، ص51